رسائل و مسائل

انعامی بانڈس

سوال - آج کل حکومت کی طرف سے امدادی قرضوں کے تمسکات جو انعامی بانڈس کی شکل میں جاری کیے گئے ہیں، ان میں شرکت کرنا اور ان پر متوقع انعام کا حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ قمار نہیں کیوں کہ ہر شخص کی قرض کی اصل رقم بہر حال محفوظ ہے جو بعد میں ملے گی۔ اس پر کوئی متعین شرح سے اضافہ بھی بانڈ ہولڈر کو نہیں ملتا جسے سود قرار دیا جائے۔ براہِ کرم اس کاروبار کی شرعی حیثیت کو واضح کیا جائے کیونکہ بہت سے لوگ اس معاملے میں خلجان کا شکار ہیں۔

جواب - انعامی بانڈس کے معاملہ میں صحیح صورتِ واقعہ یہ ہے کہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے یہ بانڈس بھی اسی نوعیت کے قرضے ہیں جو حکومت اپنے مختلف کاموں میں لگانے کے لیے لوگوں سے لیتی ہے اور ان پر سود ادا کرتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے ہر وثیقہ دار کو اس کی دی ہوئی رقم پر فرداً فرداً سود دیا جاتا تھا، مگر اب جملہ رقم کا سُود جمع کر کے اسے چند وثیقہ داروں کو بڑے بڑے "انعامات" کی شکل میں دیا جاتا ہے، اور اس امر کا فیصلہ کہ یہ "انعامات" کن کو دیے جائیں؛ قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے۔ پہلے ہر وثیقہ دار کو سود کا لالچ دے کر اس سے قرض لیا جاتا تھا۔ اب اس کے بجائے ہر ایک کو یہ لالچ دیا جاتا ہے کہ شاید ہزاروں روپے کا "انعام" تیرے ہی نام نکل آئے، اس لیے قسمت آزمائی کر لے۔

یہ صورت واقعہ صاف بتاتی ہے کہ اس میں سود بھی ہے، اور بروح قمار بھی۔ جو شخص یہ وثائق

خریدتا ہے وہ اوّلاً اپنا روپیہ جان بوجھ کر ایسے کام میں قرضے کے طور پر دیتا ہے جس میں سُود لگایا جاتا ہے۔ ثانیاً جس کے نام پر "انعام" نکلتا ہے اسے دراصل وہ سود اکٹھا ہو کر ملتا ہے جو عام سودی معاملات میں فرداً فرداً ایک ایک وثیقہ دار کو دیا جاتا تھا۔ ثالثاً جو شخص بھی یہ وثیقے خریدتا ہے وہ مجرد قرض نہیں دیتا بلکہ اس لالچ میں قرض دیتا ہے کہ اسے اصل سے زائد "انعام" ملے گا اور یہی لالچ دے کر قرض لینے والا اس کو قرض دینے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس لیے اس میں نیت سُودی لین دین ہی کی ہوتی ہے۔ رابعاً جمع شدہ سُود کی وہ رقم جو بصورت "انعام" دی جاتی ہے اس کا کسی وثیقہ دار کو ملنا اسی طریقے پر ہوتا ہے جس پر لاٹری میں لوگوں کے نام "انعامات" نکلا کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ لاٹری میں انعام پانے والے کے سوا تمام باقی لوگوں کے ٹکٹوں کی رقم ماری جاتی ہے اور سب کے ٹکٹوں کا روپیہ ایک انعام دار کو مل جاتا ہے۔ لیکن یہاں انعام پانے والوں کے سوا باقی سب وثیقہ داروں کی اصل رقمِ قرض نہیں ماری جاتی بلکہ صرف وہ سُود، جو سُودی کاروبار کے عام قاعدے کے مطابق ہر دائن کو اس کی دی ہوئی رقم قرض پر ملا کرتا ہے، انہیں نہیں ملتا، بلکہ قرض کے ذریعہ سے نام نکل آنے کا اتفاقی حادثہ ان سب کے حصوں کا سود ایک یا چند آدمیوں تک اس کے پہنچنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس بنا پر یہ بعینہٖ قمار تو نہیں ہے مگر اس میں روحِ قمار ضرور موجود ہے۔ (ا-م)

مسئلہ دجال

سوال۔ مولانا مودودی کے خلاف جو الزامات وقتاً فوقتاً لگاتے جاتے ہیں، ان میں سے ایک الزام یہ ہے کہ انہوں نے دجال کی آمد کا انکار کیا ہے اور جن احادیث میں دجال کا ذکر ہے انہیں افسانہ قرار دیا ہے۔ نیز یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ اس بارے میں شک میں مبتلا تھے اور جو باتیں آپ نے دجال کے متعلق فرمائی تھیں وہ غلط ثابت

ہوتی ہیں۔ ایک عام مسلمان کے سامنے جب ایسی چیزیں مولانا مودودی کی جانب منسوب کی جاتی ہیں تو اس کی رائے مولانا کے خلاف بہت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اس لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ اصل پوزیشن کو صاف اور واضح کیا جائے اور کوئی غلط بات اگر مولانا کے قلم سے نکلی ہے تو اس کی اصلاح کر دی جائے۔

جواب ۔ جس الزام کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے وہ اپنے پورے اجزاء اور تفصیلات سمیت بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ مولانا مودودی نے ایک مستفسر کے جواب میں اس مسئلے پر جو کچھ تحریر کیا تھا وہ "رسائل و مسائل" حصہ اول میں چھپ چکا ہے۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کا مفہوم اخذ کرنے اور جسے صحیح جہت پر محمول کرنے میں کوئی دقت پیش آتی۔ اس کے باوجود بعض حضرات نے اس تحریر پر اس انداز سے حاشیہ آرائی کرنی شروع کر دی جس سے سخت غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ ۱۹۵۵ء میں جب مولانا مودودی جیل میں تھے، انہیں اس صورتِ حال سے مطلع کیا گیا۔ اس پر انہوں نے اپنی سابق تحریر کے متعلق ایک استدراک لکھ کر بھیجا تاکہ اسے "ترجمان القرآن" میں شائع کر دیا جائے۔ اس کا یہاں نقل کر دینا مناسب ہوگا:۔

"ایک دوست نے مجھے رسائل و مسائل حصہ اول کے مضمون "تحقیق حدیثِ دجال" کی طرف توجہ دلائی ہے، اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس کے بعض الفاظ اور فقروں سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا پہلو نکلتا ہے۔

معاذ اللہ کیا کوئی مسلمان اس بارگاہ میں گستاخی کا کبھی خیال بھی کر سکتا ہے اور اگر کرے تو ایک لمحہ کے لیے بھی دائرہ ایمان میں رہ سکتا ہے؟ میرے کسی دینی بھائی کو یہ سوئے ظن تو مجھ سے نہ کرنا چاہیے کہ میں بھی اس کفر سے بھی ملوث ہو سکتا ہوں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی مسئلے کے بیان میں ایک طرزِ تعبیر میرے نزدیک حدودِ شرع و ادب کے اندر ہو، اور دوسرا اس میں کوئی تجاوز محسوس کرے۔ میں نے اس مضمون میں جو کچھ لکھا تھا، پورے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ یہی سمجھتے ہوئے لکھا تھا کہ یہ حدِ شرع و ادب کے اندر ہے اور

اب بھی اپنے دوست کے توجہ دلانے کے بعد کافی غور کرنے پر بھی اس میں کوئی تجاوز محسوس نہیں کر سکا ہوں۔ تاہم یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ کوئی شخص اس میں تجاوز محسوس کر سکتا ہے میں ان عبارتوں کو بدل دینا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں، تاکہ کسی غلط فہمی کی گنجائش باقی نہ رہے۔"

چنانچہ اس کے بعد مولانا نے اپنے سابق جواب کے بعض حصّوں کو بدل دیا۔ یہ پورا استدراک فروری ۱۹۵۵ء کے ترجمان میں شائع ہو چکا ہے۔ جیل سے باہر آنے کے بعد جب مولانا نے رسائل و مسائل حصّہ اوّل کی طبع جدید کے لیے اس کتاب پر نظر ثانی کی ہے، تو انہوں نے اپنی اس تحریر میں ایک آدھ مقام پر عبارت میں مزید تبدیلی کر دی ہے۔ جدید اڈیشن میں یہ پورا جواب جس طرح شائع ہو رہا ہے، بہتر ہے کہ اُسے یہاں بھی نقل کر دیا جائے تاکہ وہ بیک وقت قارئین کے سامنے رہے۔ وہ جواب درج ذیل ہے:

"میں نے جس چیز کو افسانہ قرار دیا ہے وہ یہ خیال ہے کہ دجّال کہیں مقید ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ ایک بڑا فتنہ پرداز (الدجال) ظاہر ہونے والا ہے تو اس کے متعلق احادیث میں جو خبر دی گئی ہے میں اس کا قائل ہوں اور ہمیشہ اپنی نمازوں میں وہ دعائے ماثورہ پڑھا کرتا ہوں جس میں منجملہ دوسرے تعوّذات کے ایک یہ بھی ہے کہ "اعوذ بك من فتنة المسيح الدجّال"

دجّال کے متعلق جتنی احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، ان کے مضمون پر مجموعی نظر ڈالنے سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ حضورؐ کو اللہ کی طرف سے اس معاملہ میں جو علم ملا تھا وہ صرف اس حد تک تھا کہ ایک بڑا دجّال ظاہر ہونے والا ہے، اس کی یہ اور یہ صفات ہوں گی، اور وہ اِن اِن خصوصیات کا حامل ہوگا۔ لیکن یہ آپ کو نہیں بتایا گیا کہ وہ کب ظاہر ہوگا، کہاں ظاہر ہوگا، اور یہ کہ آیا وہ آپ کے عہد میں پیدا ہو چکا ہے یا آپ کے بعد کسی بعید زمانہ میں پیدا ہونے والا ہے۔

اِن امور کے متعلق جو مختلف باتیں حضورؐ سے احادیث میں منقول ہیں ان کا اختلاف مضمون خود بھی یہ ظاہر کرتا ہے اور حضورؐ کے طرز کلام سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ آپ نے بربنائے وحی نہیں بلکہ بربنائے ظن و قیاس ارشاد فرمائی ہیں کبھی آپ نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ

دجّال خراسان سے اٹھے گا، کبھی یہ کہ اصفہان سے اور کبھی یہ کہ شام و عراق کے درمیانی علاقہ سے۔ پھر کبھی آپ نے ابنِ صیاد نامی اُس یہودی بچے پر جو مدینہ میں (غالباً ۲ یا ۴ھ میں) پیدا ہوا تھا یہ شبہ کیا کہ شاید یہی دجّال ہو۔ اور آخری روایت یہ ہے کہ ۹ھ میں جب فلسطین کے ایک عیسائی راہب (تمیم داری) نے آکر اسلام قبول کیا اور آپ کو یہ قصہ سنایا کہ ایک مرتبہ وہ سمندر میں (غالباً بحرِ روم یا بحرِ عرب میں) سفر کرتے ہوئے ایک غیر آباد جزیرے میں پہنچے اور وہاں ان کی ملاقات ایک عجیب شخص سے ہوئی اور اس نے انہیں بتایا کہ وہ خود ہی دجّال ہے، تو آپ نے ان کے بیان کو بھی غلط باور کرنے کی کوئی وجہ نہ سمجھی، البتہ اس پر اپنے شک کا اظہار فرمایا کہ اس بیان کی رُو سے دجّال بحرِ روم یا بحرِ عرب میں ہے مگر میں خیال کرتا ہوں کہ وہ مشرق سے ظاہر ہو گا۔

ان مختلف روایات پر جو شخص بھی مجموعی نظر ڈالے گا وہ اگر علم حدیث اور اصولِ دین سے کچھ بھی واقف ہو تو اسے یہ سمجھنے میں کوئی زحمت پیش نہ آئے گی کہ اس معاملہ میں حضورؐ کے ارشادات دو اجزاء پر مشتمل ہیں:

جزوِ اوّل یہ کہ دجّال آئے گا، اِن صفات کا حامل ہو گا اور یہ اور یہ فتنے برپا کرے گا۔ یہ بالکل یقینی خبریں ہیں جو آپ نے اللہ کی طرف سے دی ہیں۔ ان میں کوئی روایت دوسری روایت سے مختلف نہیں ہے۔

جزوِ دوم یہ کہ دجّال کب اور کہاں ظاہر ہو گا اور وہ کون شخص ہے۔ اس میں نہ صرف یہ کہ روایات مختلف ہیں بلکہ اکثر روایات میں شک اور شبہ اور گمان پر دلالت کرنے والے الفاظ بھی مروی ہیں۔ مثلاً ابنِ صیاد کے متعلق آپ کا حضرت عمرؓ سے یہ فرمانا کہ "اگر دجّال یہی ہے تو اس کے قتل کرنے والے تم نہیں ہو۔ اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو تمہیں ایک معاہد کو قتل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے"۔ یا مثلاً ایک حدیث میں آپ کا یہ ارشاد کہ "اگر وہ میری زندگی میں آگیا تو میں حجت سے اس کا مقابلہ کروں گا ورنہ میرے بعد میرا رب تو ہر مومن کا حامی و

ناصر رہے ہی۔"

اس دوسرے جز کی دینی اور اصولی حیثیت ظاہر ہے کہ وہ نہیں ہے اور نہیں ہو سکتی جو پہلے جز کی ہے۔ جو شخص اس کی بھی تمام تفصیلات کو اسلامی عقائد میں شمار کرتا ہے وہ غلطی کرتا ہے بلکہ اس کے ہر حصے کی صحت کا دعویٰ کرنا بھی درست نہیں ہے۔ ابنِ صیاد پر آپ کو شبہ ہوا تھا کہ شاید وہی دجّال ہو، اور حضرت عمرؓ نے تو قسم بھی کھائی تھی کہ یہی دجّال ہے مگر بعد میں وہ مسلمان ہوا، حرمین میں رہا، حالتِ اسلام میں مرا اور اس کی نمازِ جنازہ مسلمانوں نے پڑھی۔ اب اس کی کیا گنجائش باقی رہ گئی کہ آج تک ابن صیاد پر دجّال ہونے کا شبہ کیا جاتا رہے؟ تمیم داری کے بیان کو حضورؐ نے اُس وقت تقریباً صحیح سمجھا تھا، مگر کیا ساڑھے تیرہ سو برس تک بھی اس شخص کا ظاہر نہ ہونا جسے حضرت تمیم نے جزیرے میں محبوس دیکھا تھا یہ ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے کہ اس نے اپنے دجّال ہونے کی جو خبر حضرت تمیم کو دی تھی وہ صحیح نہ تھی؟ حضورؐ کو اپنے زمانہ میں یہ اندیشہ تھا کہ شاید دجّال آپ کے عہد ہی میں ظاہر ہو جائے یا آپ کے بعد کسی قریبی زمانہ میں ظاہر ہو، لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس گزر چکے ہیں اور ابھی تک دجّال نہیں آیا ہے؟ اب ان چیزوں کو اس طرح نقل و روایت کیے جانا کہ گویا یہ بھی اسلامی عقائد ہیں، نہ تو اسلام کی صحیح نمائندگی ہے اور نہ اسے حدیث ہی کا صحیح فہم کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، اس قسم کے معاملات میں اگر کوئی بات نبی کے قیاس یا گمان یا اندیشے کے مطابق ظاہر نہ ہو تو یہ اس کے منصبِ نبوت میں ہرگز قادح نہیں ہے۔ نہ اس سے عصمتِ انبیاء کے عقیدے پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ ایسی چیزوں پر ایمان لانے کے لیے شریعت نے ہم کو مکلف کیا ہے۔ اس اصولی حقیقت کو تابیرِ نخل والی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود واضح فرما چکے ہیں۔"

اس کے ساتھ یہ امر بھی قارئین کے پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ مولانا مودودی نے اپنے رسالہ ختمِ نبوت میں اور قادیانیوں کے متعلق تحقیقاتی عدالت کے سامنے اپنے تیسرے بیان میں ان تمام احادیث کو جمع

کردیا ہے جو نزولِ مسیح، ظہورِ مہدی اور خروجِ دجال سے متعلق ہیں اور ان سے استدلال کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ آخر زمانے میں ایک الدجال اپنے آپ کو مسیح کی حیثیت سے پیش کرے گا اور اس کا فتنہ دنیا میں بڑی گمراہی اور ظلم و ستم کا موجب بن جائے گا۔ پھر اللہ اصل مسیح کو واپس بھیجے گا تاکہ وہ اس فتنے کا قلع قمع کریں۔ مولانا کی ان تحریروں سے یہ حقیقت کھل کر بالکل سامنے آجاتی ہے کہ ان کے خلاف انکارِ دجال کا الزام اپنے اندر صداقت کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں رکھتا۔

مولانا مودودی کے خلاف ایک اعتراض اس پہلو سے بھی کیا جاتا ہے کہ اگر وہ آمدِ دجال کے منکر نہیں ہیں تو وہ دجال کے مقید ہونے کو افسانہ کیوں قرار دیتے ہیں حالانکہ جب حضرت تمیم داری نے یہ قصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تھا کہ انہوں نے ایک جزیرے میں ایک شخص کو جکڑا ہوا دیکھا ہے جو اپنے آپ کو دجال کہتا ہے، تو آنحضورؐ نے اس کی تصدیق فرمائی اور اس واقعہ کو صحابہ کے مجمع میں بیان فرمایا۔

حضرت تمیم کا یہ قصہ صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد میں بیان ہوا ہے۔ مسلم کی بعض روایات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خود انہیں پیش آیا تھا لیکن بعض دوسری روایات یہ بتاتی ہیں کہ یہ واقعہ ان کا چشم دید اور پیش آمدہ نہیں، بلکہ ان کی قوم یا خاندان کے دوسرے لوگوں کو پیش آیا تھا جو عیسائی تھے اور جن کے اسلام لانے کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان بنی عم لتمیم الداری رکبوا فی البحر۔ دوسری کے الفاظ ہیں کہ آنحضورؐ نے فرمایا: ان اناسًا من قومہ کانوا فی البحر.... ایک تیسری حدیث میں آنحضورؐ فرماتے ہیں: کان یحدثنی تمیم الداری عن رجل... بعض قرائن سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دجال کے سمندر میں مقید ہونے کے قصے اہلِ کتاب میں عام طور پر مشہور تھے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (کتاب الاعتصام، باب من رأی ترک النکیر من النبی صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ لا من غیر الرسول) میں نعیم بن حماد کی کتاب الفتن کے حوالے سے بعض روایات کا ذکر کیا ہے جن میں دجال کا بحیرۂ یمن کے کسی جزیرے میں مقید ہونا بیان ہوا ہے اور پھر وہ فرماتے ہیں: لعل ھؤلاء مع کونہم ثقات تلقوا ذٰلک من بعض کتب اھل الکتاب (ان راویوں کے ثقہ ہونے کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ انہوں نے یہ روایات بعض اہلِ کتاب کی کتابوں سے اخذ کی ہوں)۔ آگے چل کر ابن حجر

فرماتے ہیں: لشدۃ التباس الامر فی ذالک سلک البخاری مسلک الترجیح فاقتصر علی حدیث جابر عن عمر فی ابن صیاد ولم یخرج حدیث فاطمۃ بنت قیس فی قصۃ تمیم (چونکہ اس معاملے میں شدید التباس ہے۔ اس لیے امام بخاریؒ نے روایات کے مابین ترجیح کا مسلک اختیار کیا ہے اور صرف ابن صیاد کے متعلق حضرت جابرؓ کی اس حدیث کو لینے پر اکتفا کیا ہے جو حضرت عمرؓ کے واسطے سے مروی ہے، اور حضرت تمیم کی اُس حدیث کی تخریج نہیں کی جو فاطمہ بنت قیس نے روایت کی ہے یعنی جس میں دجّال کے قید ہونے کا ذکر ہے)۔

امام مسلم کی روایات میں بلا شبہ یہ بات آئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت تمیم داری کے قصّے کے متعلق فرمایا تھا کہ "وہ اس بات کے موافق ہے جو میں تم سے بیان کیا کرتا تھا"، لیکن یہاں جو مسئلہ قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ وہ بات کیا تھی جو آنحضورؐ بالعموم دجّال کے متعلق صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کرتے تھے اور جو حضرت تمیم کے بیان سے ملتی جلتی تھی۔ وہ بات یہ تھی کہ دجّال دنیا میں چار سُو فتنہ و فساد پھیلائے گا، مگر وہ مکہ اور طَیبہ (مدینہ) میں داخل نہ ہو سکے گا۔ یہی بات آنحضورؐ نے متعدد مرتبہ صحابہ سے بیان فرمائی تھی اور حضرت تمیم کا قصہ دُہراتے ہوئے بھی آپؐ نے اسی بات پر زور دیا تھا اور اسے بیان کرتے وقت عصائے مبارک سے منبر پر ضرب لگائی تھی۔ ورنہ جہاں تک دجّال کے سمندر میں محبوس ہونے کا تعلق ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہ بات نہ پہلے کبھی بیان فرمائی تھی اور نہ قصّہ تمیم سے اس کی موافقت کا سوال پیدا ہوتا تھا۔ پھر مزید یہ کہ آنحضورؐ نے حضرت تمیم کے بیان کے اس حصے سے اختلاف کا اظہار ان الفاظ میں بھی فرما دیا کہ الا انہ فی بحر الشام او بحر الیمن لا بل من قبل المشرق . . .

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دجّال کے کسی جزیرے میں مقید ہونے کی صراحت نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی زبانِ مبارک سے نہیں فرمائی۔ یہ حضرت تمیم داریؓ یا ان کی قوم کے لوگوں کا اپنا بیان ہے جس کی توثیق آنحضورؐ سے ثابت نہیں ہوتی، بلکہ آپؐ کے اندازِ بیان سے اس قصّے کی تفصیلات کے بعض اجزاء سے آنحضرت کا اختلاف اور بعض کے بارے میں سکوت ثابت ہوتا ہے۔

یہاں ایک اصولی مسئلہ یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضورِ نبوی میں کوئی ایسی خبر بیان کی جائے

جس سے کوئی حکم شرعی مستنبط نہ ہوتا ہو، تو اس پر آنحضورؐ کا سکوت اس خبر کو مطابق واقعہ قرار دینے کے لیے کافی ہے یا نہیں؟ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مذکورہ باب میں مسئلہ "تقریر" پر بحث کرتے ہوئے امام ابن دقیق العید کی تحقیق کا خلاصہ یہ بیان کیا ہے کہ حقیقت سے قریب تر بات یہ ہے کہ ایسی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاموش رہنا خبر کے واقعی اور صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ حافظ ممدوح نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ سکوتِ نبوی سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ خبر کے حق یا باطل ہونے کا امکان برابر ہو۔

مولانا مودودی کی اس بات کو بھی قابلِ اعتراض اور شانِ نبوت کے منافی قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ آنحضورؐ سے دجال کے باب میں جو ارشادات منقول ہیں ان کے بعض اجزاء مبنی بر وحی نہیں، کیونکہ ان میں شک اور گمان پر دلالت کرنے والے الفاظ بھی مروی ہیں۔ لیکن ایسا سمجھنے اور کہنے میں مولانا مودودی منفرد نہیں، بلکہ دیگر محدثین اور شارحینِ حدیث کے بھی اسی طرح کے اقوال موجود ہیں چنانچہ فتح الباری کی جس بحث کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے، اس میں ابن صیاد کے الدجال ہونے یا نہ ہونے کے مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے ابن حجر فرماتے ہیں: والظاھر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یوح الیہ فی امرہ بشئ وانما اوحی الیہ بصفات الدجال وکان فی ابن صیاد قرائن محتملۃ فلذالک کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یقطع فی امرہ بشئ (ظاہر بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے بارے میں کوئی وحی نازل نہیں تھی، بلکہ آپ کو صرف صفاتِ دجال کی اطلاع بذریعہ وحی کی گئی تھی اور ابن صیاد کی شخصیت میں بعض قرائن ایسے موجود تھے جو اس کے دجال ہونے پر محتمل تھے، اس لیے آنحضورؐ اس کے معاملے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں فرماتے تھے)۔ تقریباً یہی بات امام نووی نے ابن صیاد والی احادیث کی شرح کرتے ہوئے فرمائی ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: وظاھر الاحادیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یوح الیہ بانہ المسیح الدجال ولا غیرہ وانما اوحی الیہ بصفات الدجال۔

جو مختصر بحث اوپر کی گئی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک صاحبِ نظر اور منصف مزاج آدمی کو

اس امر پر مطمئن کر دینے کے لیے کافی ہے کہ مولانا مودودی نے اس مسئلے میں کوئی بات بھی ایسی نہیں کہی، جو جادۂ حق اور مسلک سلف سے ہٹی ہوئی ہو، یا جس میں معاذ اللہ توہین رسالت کا ادنیٰ احتمال بھی پایا جاتا ہو۔ (غ - ع)

بقیہ مضمون

بدیع الزمان کی شخصیت و دعوت

زندگی کو انتہائی طُول کر رہا ہے خواہ میں اس کے بعد کتنے ہی الاؤنس حاصل کروں اور کتنے ہی عیش و تنعم میں رہوں۔ اس حالت میں تو میں جیل اور قید پر ایک تاریک و وحشت ناک قبر کو پسند کروں گا۔ لیکن یہ سب اذیتیں اگر مجھے اپنی اس دعوت کی خاطر برداشت کرنا پڑ رہی ہیں جس کے لیے قضا و قدر نے مجھے مقرر کیا ہے تو امید ہے خدائے ذوالجلال مجھے مزید صبر و ثبات سے نوازے گا۔"

"جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ مجھ پر کوئی ظلم کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے، اور وہ میری برات کا فیصلہ بھی صادر کرتے ہیں تو ان کا یہ فرض ہے کہ وہ سب سے پہلے میری آزادی کو بحال کریں اور اس پر کوئی ناروا پابندی نہ لگائیں۔ میں روٹی اور پانی کے بغیر تو جی سکتا ہوں لیکن آزادی کے بغیر نہیں جی سکتا۔"

"بے شک جس شخص نے ۹ سال صرف ۲۰۰ ترکی لیروں (ترکی سکہ) پر گزارے ہوں اور کبھی صدقہ و خیرات اور دریوزہ گری سے اپنے چہرے کا پانی نہ بہایا ہو اور کبھی زکوٰۃ و تحائف سے تعرض نہ کیا ہو اُس شخص کے متعلق یہ جان لینا کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہ آج روپے سے زیادہ آزادی کا محتاج ہے۔"

"انسانوں سے میل جول کے انقطاع کا مجھے نعم البدل حاصل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ